درس ۱

فرائضِ دینی کا جامع تصور
اور
جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد و مراحل

انجینئر نوید احمد☆

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ؕ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾﴾ (الحج)

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴿۹﴾ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾﴾ (الصّف)

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

☆ تمہیدی نکات

(۱) منتخب نصاب نمبر۲ کا درسِ اوّل سورۃ الحج کی آیات ۷۷ و ۷۸ اور سورۃ الصّف کی آیات ۹ تا ۱۲ کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔

(۲) اِس درس کا موضوع ہے ’’فرائضِ دینی کا جامع تصور اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد و مراحل‘‘۔ یہ موضوع دراصل منتخب نصاب نمبر ایک کے مضامین کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس درس میں شامل دونوں مقاماتِ قرآنی منتخب نصاب نمبر ایک میں بھی شامل ہیں۔

(۳) فرائضِ دینی کے جامع تصور کی بار بار یاد دہانی بہت ضروری ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ دین کے ایک محدود تصور کا ذہنوں پر اِس قدر غلبہ ہے کہ تنظیم اسلامی سے طویل تعلق ہونے کے باوجود ابھی تک محسوس ہوتا ہے کہ ہم اکثر دین کے روایتی تصور کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ واضح طور پر وہ بات ہماری زبان پر نہیں آتی‘ لیکن تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیشِ نظر دین کا ایک محدود تصور ہی موجود ہے۔ یہ بات ذہنوں میں ٹھوک ٹھوک کر بٹھانے کی ضرورت ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جو عقائد‘ عبادات اور رسومات کے ساتھ ساتھ سیاست‘ معیشت اور معاشرت جیسے اجتماعی گوشوں کے بارے میں بھی ایک واضح عادلانہ رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اِس کے عملی تقاضے صرف نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ اور کچھ رسومات کی ادائیگی سے پورے نہیں ہوتے‘ بلکہ ان کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں شریعت کی پیروی کی جائے‘ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت دی جائے اور اجتماعی نظام میں دینِ اسلام کی تعلیمات کے نفاذ کے لیے مال اور جان سے جہاد کیا جائے۔ فرائضِ دینی کا یہ تصور‘ فرائض کے روایتی تصور سے مختلف بھی ہے اور بہت زیادہ جامع بھی۔

(۴) اگر فرائضِ دینی کا جامع تصور اور تدریج کے ساتھ اِس کی منازل کا صحیح شعور نہ ہو تو ہوسکتا ہے کہ ہم کسی درمیانی منزل کو آخری منزل سمجھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ رہیں۔ ورنہ ہمارے سامنے یہ بات تو رہے گی کہ ’’چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی!‘‘ اور یہ چیز ہمیں آگے سے آگے بڑھاتی رہے گی۔ لہٰذا ہمیں اپنی منزل متعین کرنی ہے اور بلند ترین ہدف کے اعتبار سے اِس کا تعین کرنا ہے۔ باقی یہ کہ چلنا قدم بقدم ہے۔ اگر ہم نے کچھ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر

چڑھنے کی کوشش کی تو گرنے کا شدید اندیشہ ہے۔ چنانچہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اِن میں توازن کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ منزل بلند ہو اور دوسرے یہ کہ چلنے کے اندر جو بھی تدریج مطلوب ہے اس کو ہم نظر انداز نہ کریں۔

سورۃ الحج' آیات ۷۷'۷۸

☆ آیت ۷۷ :

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو'' ...... ﴿ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ ''رکوع کرو اور سجدہ کرو'' ...... ﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ ''اور اپنے ربّ کی عبادت کرو'' ...... ﴿وَافْعَلُوا الْخَیْرَ﴾ '' اور بھلائی کے کام کرو'' ...... ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

اِس آیت میں ایسے لوگوں کو جو نبی اکرمﷺ کی لائی ہوئی تمام تعلیمات پر ایمان لے آئے' تین باتوں کی تلقین کی جا رہی ہے :

(۱) رکوع کرو اور سجدہ کرو' یعنی نماز ادا کرو۔

(۲) اپنے ربّ کی عبادت کرو' یعنی دلی آمادگی کے ساتھ اُس کی کلی اطاعت کرو۔

(۳) نوعِ انسانی کی بھلائی کے لیے خیر کے کام کرو۔

(۱) نماز کے ساتھ شغف اِقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کا نمایاں وصف ہوتا ہے۔ سورۃ الفتح کی آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کی یہ شان بیان ہوئی ہے کہ:

﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾

''تم اُنہیں دیکھو گے تو رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے''۔

اُن لوگوں کے لیے جو اِقامتِ دین کی جدوجہد میں سرگرم ہیں' نماز اللہ کی نصرت حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

کٹھن مراحل میں اللہ کی مدد کے حصول کے ذرائع ہیں : نماز اور صبر۔ مشکلات کے دوران انسان کا بڑا سہارا نماز ہے۔ نماز کی غرض و غایت اللہ کی یاد اور اُس کے ساتھ تعلق کو زندہ کرنا اور مضبوط رکھنا ہے۔ ایک مؤمن کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے اللہ کی رضا کا حصول۔ اُس کی ساری دینی سرگرمیاں اِسی کی خاطر ہوتی ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انقلابی جدوجہد میں ثابت قدم رہنے کا دارومدار اپنے نصب العین کے ساتھ پوری یکسوئی کے ساتھ وابستگی اور لگاؤ پر ہے۔ اپنے نصب العین سے وابستگی جس قدر گہری ہوگی اُسی قدر مشکلات کو برداشت کرنے اور مصائب جھیلنے کا حوصلہ زیادہ ہوگا۔ انسان نتائج کی پرواہ کیے بغیر محنت کرتا رہے گا۔ نماز' خصوصاً نوافل کا اہتمام' اِس نصب العین کے ساتھ وابستگی کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہے۔ پھر یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہنی چاہیے کہ انقلابی جدوجہد کے دوران استقامت اور اِس جدوجہد میں کامیابی کا انحصار اسباب پر نہیں' اللہ کی مدد پر ہوتا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا :

﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا' اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا؟ اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں''۔

اللہ کی مدد اللہ سے خصوصی تعلق قائم کر کے حاصل ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دین کی خدمت کے لیے تحریکی کاموں میں تو خوب وقت لگائیں لیکن اللہ سے لو لگانے کے لیے کچھ وقت مخصوص کرنے پر توجہ نہ دیں۔ یہ بھی مادہ پرستی کی ایک صورت ہے کہ بھروسہ اپنی دینی مساعی پر ہو' نہ کہ اللہ کی نصرت پر۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی مساعی کے ساتھ ساتھ اللہ سے بھی لو لگائی جائے اور اُس کی جناب میں گڑگڑا کر مدد کی دعا کی جائے۔ اللہ سے لو لگانے کی بہترین صورت نماز ہے۔ فرض نماز کے علاوہ نوافل کا اہتمام اِس لیے ضروری ہے کہ اِن میں انسان سکون سے طویل قیام و سجود اور اللہ سے مناجات کر سکتا ہے۔ فرض نماز میں تو امام صاحب کی اقتداء کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ نوافل میں بھی زیادہ اہمیت رات کے پچھلے پہر نمازِ تہجد کی ادائیگی کی ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق اِس وقت سماءِ دنیا پر اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پکارتا ہے :

((هَلْ مِنْ سَائِلٍ یُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ یُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ

يُغْفَرُ لَهٗ؟))(۱)

''ہے کوئی مانگنے والا کہ اُس کو عطا کیا جائے؟ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اُس کی دعا پوری کی جائے؟ ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ اُس کو بخش دیا جائے؟''

اقبال نے کیا خوب کہا ہے : ؎

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

نماز اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کی تربیت اور تزکیہ میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فرض نماز میں امام کی اقتداء سمع وطاعت کا خوگر بناتی ہے، باجماعت نماز میں شرکت وقت کی پابندی کا عادی بناتی ہے اور انسان کے سیرت وکردار کو برائیوں سے پاک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ (العنکبوت : ۴۵)

''یقیناً نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے''۔

نماز برائی اور بے حیائی سے اِس لیے روکتی ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کے الفاظ کے ذریعے اللہ سے عہدِ بندگی کو تازہ کیا جاتا ہے : ؎

سرکشی نے کر دیے دھندلے نقوشِ بندگی
آؤ سجدے میں گریں لوحِ جبیں تازہ کریں!

جو لوگ نماز کو سمجھ کر اور پورے شعور کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ اپنے عہدِ بندگی کا پاس کرتے ہیں اور برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے باز آ جاتے ہیں۔ گویا نماز انسان کو اپنے ربّ کی بندگی کے لیے تیار کرتی ہے، اور آیت کے اگلے حصہ میں اِسی بندگی کا ذکر ہے۔

(۲) سورۃ الحج کی آیت زیرِ درس میں دوسرا حکم ہے اپنے ربّ کی عبادت یعنی بندگی کرو۔ عبادت کے مفہوم سے ہم واقف ہیں، یعنی پورے ذوق وشوق کے ساتھ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملہ میں اللہ کی اطاعت کرنا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ اپنی زندگی میں عبادتِ ربّ کا عملی نمونہ پیش کریں۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پورے نظامِ زندگی میں اللہ کی بندگی قائم کرنے کا مشن لے کر اُٹھے ہیں۔ اب اگر یہ اپنے وجود اور اپنے اختیار میں اللہ کی بندگی نہیں کرتے تو پھر اِن کے خلاف قرآنِ حکیم کی سخت وعید ہے کہ :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ (الصّف)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک بڑی ہے یہ بات بیزار کرنے کے اعتبار سے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو''۔

ایسے لوگوں کو سورۃ البقرۃ میں یوں جھنجھوڑا گیا :

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کرنے کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو، تو کیا سوچتے نہیں ہو؟''

ع ''جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے'' کے مصداق اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والے جہاں ایک عظیم مشن کے حامل ہیں وہیں اُن کی ذمہ داری بھی بہت نازک ہے۔ اُن کی بے عملی لوگوں کو اِس عظیم مشن سے برگشتہ کر سکتی ہے۔ اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں اللہ کی بندگی کی مثال پیش کریں۔ کاروبار، ملازمت، خوشی وغمی کے مواقع، ستر وحجاب کے احکامات، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق اور تمام معاملاتِ زندگی میں شریعت پر عمل نہ صرف اُن کی اپنی عاقبت کو سنوارنے کا ذریعہ بنے گا بلکہ اقامتِ دین کے مشن کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگا۔ پھر اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے اُن کا ایثار وقربانی بھی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا اور اُس کے اثرات محسوس ہوں گے، کیونکہ اللہ کی سنت ہے :

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۲۷﴾ (المائدۃ)

''بے شک اللہ پرہیزگاروں ہی سے (ان کی قربانی) قبول فرمایا کرتا ہے''۔

(۳) آیت زیرِ درس میں تیسرا حکم دیا گیا: ﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ ''اور بھلے کام کرو''۔ بھلے کام کرنے کا حکم اللہ کی عبادت کے تحت بھی آ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے مراد ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ انسانوں کی خدمت کے لیے بھلائی کے کام کرو۔ لیکن اِس آیت میں بھلائی کے کام کرنے کا علیحدہ حکم دے کر اِس کام کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں میں انسانی ہمدردی اور

اِس کے تحت لوگوں کی بھلائی کے لیے ایثار و قربانی اور بھاگ دوڑ کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ موجود ہونا چاہیے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((مَن یُّحرَمِ الرِّفقَ یُحرَمِ الْخَیرَ))(۲)

''جو کوئی دل کی نرمی سے محروم ہو گیا وہ (کُل کے کُل) خیر سے محروم ہو گیا''۔

دل کی نرمی کا اظہار محض زبانی جمع خرچ سے نہیں' بلکہ مشکلات میں مبتلا لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے عملی کاوشوں سے ہوتا ہے۔

انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بھی مختلف درجات ہیں۔ پہلا درجہ ہے کہ لوگوں کی فوری مشکلات کے حل کے لیے کوشش کرنا۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا' لباس کے ضرورت مند کو کپڑا پہنا دینا' کسی بے گھر کو چھت فراہم کر دینا' کسی بیمار کا علاج کرا دینا' کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے آزاد کرا دینا' وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ ظہورِ نبوت سے قبل بھی انسانی خدمت کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے' اگرچہ آپ ﷺ کوئی صاحبِ ثروت انسان نہیں تھے۔ آپ ﷺ کے والدِ ماجد کا انتقال آپ ﷺ کی ولادت سے قبل ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی پرورش پہلے والدہ' پھر دادا اور آخر میں چچا نے کی۔ لڑکپن ہی میں بکریاں چرانی پڑیں اور پھر تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ آپ ﷺ کی مالی حیثیت زیادہ نہ تھی' لیکن پھر بھی آپ ﷺ بیواؤں کی خبر گیری' یتیموں کی سرپرستی اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اِسی حوالے سے کتبِ سیرت میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ گھر تشریف لائے تو بہت مغموم تھے۔ آپ ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ حضرت خدیجہؓ کو فکر لاحق ہوئی اور اُنہوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شہر سے باہر مفلوک الحال لوگوں کا ایک قافلہ دیکھا ہے جن کے تن پر کپڑا نہیں' بڑے بھی بھوک سے نڈھال ہیں اور بچے بھی بھوک سے بلک رہے ہیں' کاش میرے پاس کچھ سرمایہ ہوتا تو میں اُن کی امداد کر سکتا۔ حضرت خدیجہؓ نے اُسی وقت مکہ کے چند سرداروں کو اپنے گھر بلایا اور اُن کو گواہ بنا کر اپنا سارا مال آپ ﷺ کو ہدیہ کر دیا۔ آپ ﷺ اِس مال کو ضرورت مندوں کی مدد کے لیے صرف فرماتے رہے۔ آپ ﷺ ''حلف الفضول'' کے نام سے ایک معاہدے میں بھی شریک ہوئے' جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا' خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا' ہم سب اُس کی مدد اور حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں گے اور اُس کا حق دلوا کر رہیں گے۔

خدمتِ خلق بلاشبہ ایک بہت بڑا کارِ خیر ہے' لیکن اگر آخرت کی حقیقت سامنے ہو تو محض دُنیوی خدمتِ خلق کا تصور بڑا محدود (short term) اور ناقص محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں ہم کسی بھوکے کے پیٹ کی آگ کو تو بجھا دیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے پورے کا پورا جہنم کی آگ کا نوالہ بن جائے۔ نبی اکرم ﷺ نزولِ وحی سے قبل دُنیوی اعتبار سے خدمتِ خلق کی سرگرمیاں انجام دیتے رہے' لیکن جب وحی کے ذریعے آپ ﷺ پر آخرت کی ابدی زندگی کے حوالے سے حقائق منکشف ہوئے تو آپ ﷺ کی سعی و جہد کا اولین مقصد نوعِ انسانی کو آخرت کی ناکامی سے بچانے کی کوشش کرنا بن گیا۔ مسلم شریف میں آپ ﷺ کا اِرشاد نقل ہوا ہے:

((مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَ الْجَنَادِبُ وَالْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْهَا وَهُوَ یَذُبُّهُنَّ عَنْهَا' وَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَفَلَّتُوْنَ مِنْ یَدِیْ))(۳)

''میری اور تمہاری مثال اُس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اُس میں گرنے لگے اور وہ اُن کو اُس آگ سے دور ہٹاتا ہے۔ میں بھی تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جاتے (اور جہنم کی آگ میں گرتے جاتے) ہو''۔

ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ جہاں ہم اپنی امکانی حد تک دکھ درد میں لوگوں کے کام آ سکیں' وہیں پوری ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ اُن کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری بھی ادا کریں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی معاشرے میں قائم نظام عادلانہ نہیں تو وہاں خدمتِ خلق کے کام کے مفید نتائج نظر نہیں آتے۔ استحصالی نظام لوگوں کے مسائل و مشکلات میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ معاشرے میں غربت' افلاس اور تنگ دستی بڑھتی ہی رہتی ہے۔ مثلاً سرمایہ دارانہ سودی نظام کی وجہ سے مہنگائی زیادہ سے زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اب جتنے بھی کھانے کھلائے جائیں بھوک کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں ایک طبقہ کی لوٹ کھسوٹ سے مسلسل مظلوم پیدا ہو رہے ہوں وہاں سماجی خدمت کے کاموں سے محض چند مظلوموں ہی کی دادرسی کی جا سکتی ہے۔ پانچ بے روزگاروں کے روزگار کا بندوبست کیا جاتا ہے تو دس اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں پائیدار خدمتِ خلق یہ ہے کہ ظالمانہ نظام کے خلاف جدوجہد کر کے

اُسے تلپٹ کیا جائے اور اُس کی جگہ ایک عادلانہ نظام قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیوی اعتبار سے تمام رسولوں f کی مساعی کا مقصد تھا ایک عادلانہ نظام کا قیام۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج﴾ (الحدید : ۲۵)

’’بلاشبہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے نازل کیں اُن کے ساتھ کتابیں اور ترازو‘ تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں‘‘۔

سورۃ الشوریٰ میں نبی اکرمﷺ سے فرمایا گیا کہ اعلان کردیجیے :

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط﴾ (آیت۱۵)

’’اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔‘‘

گویا اِس دنیا میں انسانی خدمت کا دیرپا (long term) تصور یہ ہے کہ نہ صرف بھوکے کو کھانا کھلایا جائے بلکہ بھوک پیدا کرنے کے اسباب کو ختم کیا جائے‘ نہ صرف مظلومین کی امداد کی جائے بلکہ مظلوم بنانے والے نظام ہی کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ اگلی آیت میں اِسی کی تلقین بڑے تاکیدی انداز میں کی جارہی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ’’تاکہ تم فلاح پاؤ‘‘۔ معلوم ہوا آخرت میں دائمی فوز و فلاح کے حصول کے لیے صرف ایمان لے آنا کافی نہیں ہے بلکہ رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہوگا۔ پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کرنا ہوگی اور اِس سے آگے بڑھ کر دوسروں کی خدمت کے لیے بھلائی کے کام کرنا ہوں گے۔

☆ آیت ۷۸ :

﴿وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط﴾ ’’اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے‘‘ ...... ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ ’’اُس نے تمہیں چُن لیا ہے‘‘...... ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط﴾ ’’اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں رکھی‘‘ ...... ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط﴾ ’’(یہ دین) راستہ ہے تمہارے جدامجد ابراہیمؑ کا‘‘ ...... ﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ’’اُنہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا‘‘ ...... ﴿مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا﴾ ’’اس سے پہلے اور اب بھی‘‘ ......﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ﴾ ’’تاکہ (روزِ قیامت) رسول (ﷺ) گواہ بن جائیں تم پر‘‘ ...... ﴿وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ج﴾ ’’اور تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر‘‘ ...... ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ’’پس قائم کرو نماز‘‘...... ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ ’’اور دو زکوٰۃ‘‘ ...... ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط﴾ ’’اور چمٹ جاؤ اللہ سے‘‘ ...... ﴿هُوَ مَوْلٰكُمْ ج﴾ ’’وہ تمہارا دوست ہے‘‘ ...... ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ ’’پس خوب دوست ہے‘‘...... ﴿وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ’’اور خوب مددگار ہے!‘‘

اِس آیت میں انتہائی تاکیدی انداز میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اِس طرح جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کرنے کا حق ہے۔ ہم پر بندوں کے حقوق بھی عائد ہوتے ہیں اور اللہ کے بھی۔ غور کیا جائے تو ہم پر سب سے بڑا حق اللہ کا ہے۔ وہی ہمارا خالق ہے‘ رازق ہے‘ محافظ ہے اور مشکل کشا بھی۔ بلاشبہ وہ ہمارا ایسا محسنِ حقیقی ہے کہ جس کی نعمتیں ہم شمار نہیں کرسکتے۔ ہم اللہ کی حمد کے لیے چند کلمات کہہ کر‘ کچھ عبادات ادا کرکے‘ کچھ صدقہ و خیرات دے کر اور ذرا سی بھاگ دوڑ کرکے اللہ کی بیش بہا عنایات کا حق ادا نہیں کرسکتے۔ ہمیں چاہیے کہ انفرادی زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کی بندگی کریں اور اجتماعی زندگی میں اُس کی تعلیمات کے نفاذ کے لیے تن من دھن سے جہاد کرکے ثابت کریں کہ : ؎

مری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں‘ میں اِسی لیے نمازی!

یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی دل میں یہ احساس رہے کہ ع ’’حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!‘‘

﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ ’’اُس (اللہ) نے تمہیں چُن لیا ہے‘‘ کے الفاظ پر غور کرکے ہمیں ایک سرور محسوس کرنا چاہیے۔ اللہ نے ہمیں انسان بنایا‘ نبی اکرمﷺ کی تعلیمات پر ایمان لانے کی سعادت عطا کی‘ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسولﷺ کی روشنی میں دینی ذمہ داریوں کا شعور دیا اور اِن ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ایک جماعت سے منسلک ہونے کی توفیق بخشی۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک!**

احسان مندی کا تقاضا ہے کہ ہم اللہ کے احکامات پر عمل اور اِن کے نفاذ کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو آخری حد تک بروئے کار لائیں۔ اِس حوالے سے سنتِ رسولﷺ تو یہ ہے کہ اپنی معاشی ضروریات کے لیے واجبی سی کوشش کریں تاکہ عزت سے دو وقت کی روٹی مل جائے اور اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی اصل توانائیوں کو اللہ کے دین کی خدمت میں لگائیں‘

یعنی اُس کام میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مامور (appoint) کیا ہے۔ ہماری ترجیحات اور عمل سے ثابت ہو کہ :

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے، جام رہے؟

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ﴾ ''اور اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''۔ یہ ہم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا جو فطرت کے عین مطابق ہے۔ اِس دین میں بدعات ورسومات کا لمبا چوڑا طومار نہیں، نفس کو کچلنے والی ریاضتیں نہیں اور رہبانیت کی طرح کوئی غیر فطری پابندیاں نہیں۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)) ''اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں''۔ نفسانی تقاضوں کو کچلنے کے بجائے اُنہیں انسانی معاشرے کی بھلائی کے لیے صحیح رُخ پر ڈھالا (channelize کیا) گیا ہے۔ یہ دین ایک ایسی راہ کی تعلیم دیتا ہے جس میں ضبطِ نفس (self control) ہے، نفس کشی (self annihilation) نہیں۔ تمام فطری و جبلی تقاضوں کی چند حدود وقیود کے ساتھ تسکین کا بھرپور سامان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ﴾
(الاعراف:۲۳)

''(اے نبیؐ) پوچھئے کس نے حرام کیا اُس زیب وزینت کو اور اُس پاکیزہ رزق کو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمایا ہے؟''

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ﴾ ''(یہ دین) راستہ ہے تمہارے جدامجد ابراہیمؑ کا''۔ دین کے تقاضوں کی ادائیگی دراصل ''ملتِ ابراہیم'' یعنی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے، جس کی وضاحت قرآنِ حکیم میں اِس طرح آئی ہے :

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾﴾ (البقرة)

''اور کون ہے جو رُخ پھیرے ابراہیمؑ کے راستے سے؟ سوائے اُس کے جس نے حماقت میں ڈال دیا اپنے آپ کو۔ اور ہم نے اُن کو چن لیا تھا دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہوں گے۔ جب بھی اُن سے کہا اُن کے ربّ نے کہ فرماں برداری اختیار کرو، اُنہوں عرض کیا کہ میں نے فرماں برداری اختیار کی تمام جہانوں کے ربّ کی''۔

حضرت ابراہیمؑ کی حیاتِ مبارکہ ایک ایسی مسلسل جدوجہد کی داستان ہے جس کا مقصد اللہ کی اطاعت اور اللہ کی خوشنودی کا حصول تھا۔ ہمیں بھی اسی اُسوۂ ابراہیمؑ کی پیروی کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کو اسی کا حکم دیا :

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ﴾ (النحل : ۱۲۳)

''پھر ہم نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی کہ پیروی اختیار کیجئے ابراہیمؑ کے راستہ کی جو بالکل یکسو تھے''۔

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ''اُنہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا''۔ آیت کے اِس حصہ میں اشارہ ہے اُس دعا کی طرف جو بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اللہ کی بارگاہ میں کی تھی کہ :

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠﴾ (البقرة: ۱۲۸)

''اے ہمارے ربّ! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولادوں میں سے اپنی فرماں بردار اُمت پیدا فرما''۔

ہمیں اللہ کا فرمانبردار بن کر اُس نام کی لاج رکھنی چاہیے جس سے ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ نے ہمیں موسوم کیا۔ مزید یہ کہ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو ہمیشہ اپنا تعارف بطور مسلم ہی کرانا چاہیے اور کسی مسلکی یا فرقہ وارانہ شناخت کو اپنی پہچان نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (حٰمٓ السجدة)

''اور اِس سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ مَیں مسلمانوں میں سے ہوں!''

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ﴾ ''تاکہ رسولؐ گواہ ہو جائیں تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر''۔ آیت کے اِس حصہ میں اُس کٹھن ذمہ داری کا

بیان ہے جو اُمتِ مسلمہ پر عائد ہوتی ہے۔ یہ ذمہ داری ہے ''شہادت علی الناس''۔ ''شہادت علی الناس'' کا مفہوم ہے قول وعمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی کا حق ادا کر کے نوعِ انسانی پر حجت تمام کرنا تا کہ وہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز نہ پیش کر سکیں۔ اِس اتمامِ حجت کے لیے ضروری ہے کہ دین کو قائم ونافذ کیا جائے تا کہ نوعِ انسانی پر اس کا قابلِ عمل ہونا ثابت ہو اور باطل نظام کا جبر کسی کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

''شہادت علی الناس'' کی ذمہ داری ہمیں اُسی طرح سے ادا کرنی ہے جیسے اللہ کے رسول ﷺ نے ادا فرمائی۔ آپ ﷺ نے اِس کے لیے اپنے ذاتی کردار کی اعلیٰ مثال پیش فرمائی، دعوت وتبلیغ کا حق ادا کیا اور ایک کٹھن جدوجہد کے ذریعے بالفعل دینِ حق کو غالب کر کے نوعِ انسانی پر حجت قائم فرما دی۔ نبوت کے خاتمہ کے بعد اب ''شہادت علی الناس'' کی ذمہ داری اُمت کے کاندھوں پر ہے۔ روزِ قیامت اللہ کے رسول ﷺ اللہ کی عدالت میں گواہی دیں گے کہ اے اللہ! میں نے اپنی اُمت کے سامنے دین پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا، اب یہ اپنے طرزِ عمل کے خود ذمہ دار ہیں:

﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا﴾

(النساء)

''پس اُس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور اس اِمت پر (اے نبی ﷺ!) ہم آپؐ کو گواہ بنا کر لائیں گے!''

اِسی لیے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بڑے اہتمام سے صحابہؓ سے پیغام پہنچا دینے کا اقرار لیا اور اِس پر اللہ کو گواہ بنایا۔

نبی کریم ﷺ تو ہم پر اتمامِ حجت فرما کر سرخرو ہو گئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول وعمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعے ''شہادت علی الناس'' کا فریضہ ادا کریں۔ اِسی کٹھن ذمہ داری کے احساس کا بارِ گراں تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ مدینہ اور مکہ سے نکل کر دُنیا کے بڑے حصے میں پھیل گئے اور دینِ حق کے پیغام کو مختصر سے عرصے میں دور دور تک پہنچا دیا۔ اگر ہم نے بھی صحابہ کرامؓ کی طرح مال وجان سے دین کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں تو ہم بھی روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے سیرت وکردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔

آخر میں حکم دیا گیا: ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ ''پس قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ''۔ یعنی اب اٹھو اور عمل کا آغاز کرو۔ عمل کا آغاز ہوگا ارکانِ اسلام کی ادائیگی سے، جو دینی فرائض کی عمارت میں ستون کا درجہ رکھتے ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''اور چمٹ جاؤ اللہ سے''۔ گویا دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی اللہ سے مضبوط تعلق پیدا کیے بغیر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے نوافل کا اہتمام کرنا ہوگا، تا کہ اُس سے لو لگا کر مدد اور دستگیری کی التجا کی جا سکے۔ اسی طرح اللہ سے چمٹنے یعنی اُس کی قربت کے حصول کے لیے اللہ کی رسّی یعنی قرآنِ حکیم سے چمٹنا ہوگا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آلِ عمران: ۱۰۳)

''اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ گروہ نہ ہو جاؤ''۔

جامع ترمذی میں موجود ایک حدیث کی روشنی میں اللہ کی رسّی سے مراد قرآنِ حکیم ہے:

((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ))(٤)

''قرآن ہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے، اور حکمت بھرا ذکر ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے''۔

گویا قرآنِ حکیم ہی جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت علی الناس کے فرائض کی ادائیگی کے لیے مرکز ومحور ہے۔

اِس آیت کا اختتام بڑے حوصلہ افزا الفاظ پر ہوا، یعنی: ﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ''وہ تمہارا ساتھی ہے، پس خوب ساتھی اور خوب مددگار ہے!'' دین کے تقاضوں کی ادائیگی بلاشبہ ایک مشکل کام ہے، لیکن اِس راہ میں اہلِ ایمان کا پشت پناہ، ساتھی اور مددگار اللہ ہے: ؎

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اللہ کی مدد ایسے لوگوں کو ضرور مل کر رہتی ہے جو اللہ کے دین کی مدد کے لیے کمر کس

لیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ :

﴿اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰہَ یَنۡصُرۡکُمۡ وَیُثَبِّتۡ اَقۡدَامَکُمۡ﴾ (محمد)

’’اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا‘‘۔

﴿وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ﴾ (الحج)

’’اور جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ ضرور اُس کی مدد فرماتا ہے‘ بے شک اللہ یقیناً بڑی قوت والا زبردست ہے‘‘۔

جسے اللہ کی مدد میسر آجائے اسے تو سب سے بڑا سہارا مل گیا۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۶۰ کے حوالے سے یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ :

﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾

’’اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اُس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکے گا؟ اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں‘‘۔

سورۃ الصّف‘ آیات ۹۔۱۲

☆ آیت ۹:

﴿ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ﴾ ’’وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ؐ کو‘‘...... ﴿بِالۡہُدٰی﴾ ’’کامل ہدایت کے ساتھ‘‘...... ﴿وَدِیۡنِ الۡحَقِّ﴾ ’’اور سچّے دین کے ساتھ‘‘...... ﴿لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ﴾ ’’تاکہ وہ اس کو غالب کردیں کل نظامِ زندگی پر‘‘...... ﴿وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ﴾ ’’اور چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے‘‘۔

اِس آیت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا غلبۂ دینِ حق۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والوں کو یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ انسان ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ اُس کا کوئی واضح مقصدِ زندگی ہو۔ مقصدِ زندگی کم تر بھی ہوسکتا ہے اور اعلیٰ بھی۔ اعلیٰ ترین مقصد تھا نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا‘ یعنی دینِ حق کی سربلندی۔ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اُنہیں نبی اکرم ﷺ کے مقصدِ بعثت کو اپنا مقصدِ زندگی بنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ تاحیات اِس سعادت پر قائم رہنے اور دوسروں کو بھی اِس خیر کی طرف متوجہ کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اِس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ’’الھدیٰ‘‘ یعنی کامل ہدایت اور ’’دینِ حق‘‘ یعنی ایک عادلانہ نظامِ حیات کے ساتھ بھیجا۔ اقامتِ دین کے لیے جدوجہد کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں پر واضح کریں کہ قرآنِ حکیم کتابِ ہدایت ہے اور اِس کی تعلیمات کا سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اِسی طرح اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے‘ جو نہ صرف ہماری انفرادی بلکہ اجتماعی زندگی سے متعلق بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ ہم انفرادی زندگی میں اِس کی تعلیمات پر عمل کریں اور اجتماعی زندگی سے متعلق اِس کے احکامات کے نفاذ کے لیے جدوجہد کریں۔

﴿وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ﴾ ’’اور چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے‘‘ کے الفاظ ظاہر کررہے ہیں کہ غلبۂ دین کی جدوجہد آسان نہیں‘ بلکہ اِسے لازماً مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نظامِ باطل سے بااختیار طبقہ کے کچھ مفادات اور چودھراہٹیں وابستہ ہوتی ہیں۔ یہ طبقہ دوسروں کے حقوق غصب کرکے عیاشی کررہا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ آسانی سے اپنے مفادات سے دستبردار نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی تحریک اِس طبقہ کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے اُٹھتی ہے تو یہ طبقہ اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اِس تحریک کو کچلنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا ہے۔ یہ طبقہ دو طرح کے مشرکین پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک مذہبی شرک کرنے والے اور دوسرے سیاسی شرک کرنے والے۔ مذہبی شرک کے پیشوا پنڈت‘ پادری‘ پروہت‘ پجاری اور پیر کی صورت میں اللہ اور بندے کے درمیان واسطہ بن کر عوام کی محنت کی کمائی سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتے رہے ہیں‘ اور سیاسی شرک کے سردار بادشاہوں کے روپ میں Divine rights of kings کا تصور دے کر اپنی حاکمیت قائم کرکے عوام سے خراج وصول کرتے رہے۔ دونوں استحصالی عناصر کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا۔ بادشاہ مذہبی پیشواؤں کو His Holiness کی سند دیتا رہا اور مذہبی پیشوا بادشاہوں کو Defenders of the faith کا اعزاز دیتے رہے۔ دینِ حق یعنی اسلام اِن دونوں طبقات کے مفادات پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ مذہبی شرک کے سدباب کے لیے اسلام توحید کا وہ تصور دیتا ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان حائل تمام واسطوں اور وسیلوں کی نفی کردیتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ......﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (انہیں بتا دیجیے کہ) بے شک میں قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں......''

بقول اقبال : ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اِسی طرح اسلام سیاسی شرک کے ابطال کے لیے حاکم مطلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو قرار دیتا ہے۔ اِرشاداتِ باری تعالیٰ ہیں :

﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّـہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ﴾ (بنی اسراء یل : ۱۱۱)

''اور حکومت میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے''۔

﴿وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا﴾ (الکھف)

''اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط﴾ (یوسف: ۴۰)

'' حکومت تو بس ایک اللہ ہی کی ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں''۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

اسلام نے انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف اللہ کی غلامی کے رنگ میں رنگ دیا اور بادشاہت کے بجائے خلافت کا تصور دیا۔ اب جن لوگوں کے مفادات پر اسلام کی انقلابی دعوت کی ضرب پڑتی ہے اُن کے لیے اِس دعوت کا پھیلنا ناگوار ہوتا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی:

﴿کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

''گراں ہے (اے نبی ﷺ!) مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں''۔

اگر کوئی شخص صرف واعظ بن کر یا محض جزوی اصلاح کا مقصد لے کر کھڑا ہو تو اِس کی بات لوگوں پر گراں نہیں گزرتی۔ اگر دین کی محض وہ باتیں پیش کی جائیں جن سے کسی کے مفاد پر زد نہ پڑتی ہو تو پھر کسی طرف سے کوئی مخالفت نہیں ہوتی' بلکہ پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اور شاندار استقبال کیا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر کوئی اِس بات کا مشن لے کر اُٹھے کہ میں اِس پورے نظامِ باطل کو' جو غیر اللہ کی اطاعت پر قائم ہے' بالکل نیست و نابود کر دوں گا اور اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام قائم کروں گا' تو اِس سے مشرکانہ بنیادوں پر قائم نظامِ باطل کے سرداروں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر یہ نظام ختم ہوا تو ہمارے مفادات پر ضرب پڑے گی' ہماری چودھراہٹ نہیں رہے گی اور ہمارا وقار اور احترام خاک میں مل جائے گا۔ اِس لیے توحید پر مبنی اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کی دعوت مشرکانہ نظام کے سرداروں کو برداشت نہیں ہو سکتی اور وہ اِس مشن کو ناکام کرنے کے لیے ہر حربہ اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔

اِس آیت میں ہمارے لیے ایک حوصلے کا پہلو بھی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہے دینِ حق کا غلبہ۔ چونکہ آپ ﷺ کی رسالت تمام انسانوں کے لیے' رہتی دنیا تک اور پورے کرۂ ارضی کے لیے ہے لہٰذا ایک وقت ایسا آکر رہے گا جب پورے کرۂ ارضی پر آپ ﷺ کا لایا ہوا دین غالب ہو کر رہے گا۔ اِس کی بشارت خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

عَنِ النُعمَان بُنِ بَشِیرٍؓ عَنِ الْحُذَیفَۃَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((تَکُوْنُ النُّبُوَّۃُ فِیْکُمْ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُھَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَھَا، ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃً عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ، فَتَکُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُھَا اِذَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّرْفَعَھَا، ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا عَاضًّا، فَیَکُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّکُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُھَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَھَا، ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا جَبْرِیَّۃً، فَتَکُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ تَکُوْنَ، ثُمَّ یَرْفَعُھَا اِذَا شَآءَ اَنْ یَّرْفَعَھَا، ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃً عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ)) ثُمَّ سَکَتَ(۵)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''(اے مسلمانو!) نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا (یعنی نبی کریم ﷺ کی بنفسِ نفیس موجودگی)۔ پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت کا دَور آئے گا' یہ دَور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب اللہ چاہے گا اُسے اُٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی جو اُس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب اللہ چاہے گا اُسے بھی ختم کر دے گا۔ پھر مجبوری کا دَورِ حکومت ہوگا' جو اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر اُسے بھی جب چاہے گا ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت کا دَور آئے گا''۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

عَنْ ثَوْبَانَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا، وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا))(۶)

حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا' پس میں نے اُس کے تمام مشرق و مغرب دیکھ لیے' اور میری اُمت کی حکومت زمین پر وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لیے لپیٹ دی گئی''۔

عَنِ الْمِقْدَادِؓ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ، اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا، اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا)) قُلْتُ: فَیَکُوْنُ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ(۷)

حضرت مقدادؓ راوی ہیں کہ اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے' خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جن کو عزت عطا فرمائے گا اُنہیں کلمۂ اسلام کا قائل بنا دے گا اور جن کو ذلیل فرمائے گا اُنہیں اِس کے تابع فرما دے گا۔ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ اِس پر میں نے (دل میں) کہا: ''پھر تو یقیناً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا''۔

یہ بات تو واضح ہو گئی کہ نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت غلبۂ دینِ حق ہے اور یہ کام ہو کر رہے گا۔ البتہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ اِس مشن کی تکمیل کے لیے اللہ کے بندوں کو جان و مال کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے معجزے کے ذریعے قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلوا دی' لیکن دین کا غلبہ معجزے سے نہیں ہوا' اِس کے لیے اُنہوں نے قوم کو مال اور جان لگانے کی دعوت دی۔ اگلی آیت میں اِسی کی ترغیب ہمیں دی جا رہی ہے۔

☆ آیت ۱۰ :

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'' ...... ﴿ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ﴾ ''کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں'' ...... ﴿تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ ''جو تمہیں بچا لے دردناک عذاب سے؟''

اِس آیت میں بڑے فطری اسلوب میں' انسانی نفسیات کے بہت قریب ہو کر' ایک سوالیہ انداز میں اہلِ ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہر انسان ایسی تجارت کا خواہش مند ہوتا ہے جس میں خسارے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہاں ایسی تجارت کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہمیشہ ہمیش کے خسارے یعنی دردناک عذاب سے انسان کو بچا لے گی۔ تربیتی نقطۂ نگاہ سے یہ بڑا مفید اسلوب ہے کہ پہلے ایک سوال کیا جائے اور پھر اُس کا جواب دیا جائے۔ حدیثِ جبرائیلؑ میں حضرت جبرائیلؑ نے اللہ کے رسول ﷺ سے اسلام' ایمان' احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات کیے اور آپ ﷺ نے جوابات دیے۔ آپ ﷺ اکثر یہ اسلوب اختیار فرماتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں آنے والا ہر انسان ایک تجارت تو کر رہا ہے۔ وہ کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنا وقت' صلاحیت اور توانائی خرچ (invest) کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں

اِس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا:

((کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَایِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا))(۸)

''ہر انسان صبح کرتا ہے اور اپنے نفس کا سودا کرتا ہے' پس وہ اُسے (عذاب سے) آزاد کرنے والا ہے یا اُس کو (اللہ کی رحمت سے محروم کر کے) ہلاک کرنے والا ہے''۔

انسان کی محنت اور صلاحیت کی خریدار دنیا کی عارضی لذتیں بھی ہیں اور اللہ بھی۔ اگر ہم نے اپنی صلاحیتیں صرف دنیا کی عارضی لذتوں کے حصول کے لیے کھپا دیں تو یہ بہت ہی گھاٹے کا سودا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾﴾ (الکہف)

''(اے نبیﷺ!) اِن سے کہہ دیجئے کیا ہم تمہیں بتائیں سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے کون ہیں اپنے اعمال کے اعتبار سے؟ وہ لوگ جن کی ساری محنتیں بھٹک کر رہ گئیں دُنیوی زندگی کے لیے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے''۔

اِس کے برعکس اگر ہم نے سودا اللہ کے ہاتھ کیا تو ہمیشہ ہمیش کی جنت ہمیں نصیب ہو گی اور یہی سب سے زیادہ نفع بخش سودا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ (التوبة)

''اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں (اور اِس کے) عوض میں اُن کے لیے جنت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنا وعدہ وفا کرنے والا ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اُس سودے پر جو تم نے کیا ہے' اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

بلاشبہ اصل عقل مند اور دور اندیش وہ ہے جو دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی ابدی نعمتوں کے حصول کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ))(۹)

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو پا لے اور عمل کرے موت کے بعد کی زندگی کے لیے''۔

ایسے عقل مند لوگ کامیاب ترین تجارت میں اپنے شب و روز لگا رہے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾﴾ (فاطر)

''بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' وہ ایسی تجارت کی توقع کرتے ہیں جو کبھی گھاٹے میں نہیں جائے گی''۔

☆ آیت ۱۱:

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر''...... ﴿وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے''...... ﴿ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان لو''۔

آیت ۱۰ میں بیان شدہ سوال کا جواب اِس آیت میں دیا گیا ہے۔ دردناک عذاب سے بچنے کے لیے دو کام کرنا ہوں گے۔ پہلا یہ کہ اللہ اور اُس کے رسولﷺ پر پختہ ایمان رکھنا ہو گا' اور دوسرا یہ کہ اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنا ہو گا۔

یہ حقیقت قرآنِ حکیم میں بڑے جھنجھوڑنے کے انداز میں بار بار بیان ہوئی ہے کہ آخرت میں دردناک عذاب سے نجات کے لیے مال و جان کی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ (البقرة)

''(اے مسلمانو!) کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جنت میں (آسانی سے) داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ ابھی تو تم پر وہ حالات وارد ہی نہیں ہوئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے؟ اُن پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ ہلا ڈالے گئے' یہاں تک کہ پکار اٹھا (وقت کا) رسول اور اُس کے ساتھی اہلِ ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (اِس وقت اُنہیں

بتایا گیا کہ) آگاہ رہو! اللہ کی مدد قریب ہے‘‘۔

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾﴾ (آلِ عمران)

’’کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے ظاہر ہی نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے (ڈٹ جانے) والے ہیں!‘‘

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ﴾ (التوبة: ١٦)

’’کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا‘‘۔

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾﴾ (العنکبوت)

’’کیا لوگوں نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے محض اِس لیے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا‘‘۔

گویا دردناک عذاب سے نجات اور جنت کا حصول آسان نہیں‘ اِس کے لیے محنت کرنا پڑے گی اور آزمائش کی بھٹیوں سے لازماً گزرنا پڑے گا۔

آیت زیرِ درس میں دردناک عذاب سے بچنے کی پہلی شرط یہ بیان ہوئی کہ ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر۔ مراد یہ ہے کہ تمہیں ’’اِقْرَارٌ بِاللِّسَان‘‘ یعنی زبانی اقرار کی بنیاد پر قانونی ایمان تو حاصل ہے‘ لیکن اب ’’تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ‘‘ یعنی یقینِ قلبی کے حصول کی کوشش کر کے ایمانِ حقیقی سے باطن کو منور کرو۔ یہ وہی انداز ہے جو سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں آیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ......﴾

’’اے اہلِ ایمان! ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر......‘‘

گویا دردناک عذاب سے بچنے کی پہلی شرط ہے ایمانِ حقیقی کا حصول۔ یعنی ایسا ایمان جو انسان کا حال بن جائے اور انسان کے سیرت و کردار میں نظر آئے۔ یہ ایمان حاصل ہوگا دینی اجتماعات میں شرکت سے‘ اپنے دینی ساتھیوں کے ساتھ قریبی میل جول سے اور قرآنِ حکیم پر غور و تدبر سے۔ ایمان کے حوالے سے یہاں صرف دو ایمانیات کا ذکر ہے‘ یعنی توحید اور رسالت۔ توحید تو تمام ایمانیات کی جڑ اور بنیاد ہے۔ رسالت پر ایمان کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اُن تمام باتوں کی تصدیق کرنا جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمائیں۔ گویا باقی تمام ایمانیات بھی ایمان بالرسالت میں شامل ہو گئے۔

اِس آیت میں دردناک عذاب سے بچنے کی دوسری شرط یہ بیان ہوئی کہ مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ سورۃ الحجرات میں یہ حقیقت بیان کی گئی کہ جہاد فی سبیل اللہ‘ ایمانِ حقیقی کا لازمی مظہر ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾﴾

’’مؤمن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اُنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں‘‘۔

اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے کوشش کرنا اور اس مشن کو اپنی زندگی میں ترجیح اوّل دینا دراصل اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے محبت کا عملی ثبوت ہے۔ انسان کا عمل ظاہر کرتا ہے کہ اُسے اللہ سے کس قدر محبت ہے اور وہ دیگر حقوق کے مقابلے میں اللہ کی عبادت اور اُس کے دین کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے کتنی محنت کر رہا ہے۔ اسی طرح انسان کا عمل بتاتا ہے کہ نفسانی خواہشات اور معاشرتی رسم و رواج کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو وہ کس قدر اہمیت دیتا ہے اور آپ ﷺ کی پیروی میں غلبۂ دین کے لیے جدوجہد میں کس قدر مال و جان لگا رہا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی منازل و مراحل

یہ بہت بڑا مغالطہ ہے کہ جہاد کو صرف قتال کے معنی میں لے لیا جاتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تین منازل ہیں‘ جن میں آخری اور بلند ترین منزل ہے قتال فی سبیل اللہ۔ جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی منزل ہے اپنے نفس کے خلاف جہاد کر کے اپنے دائرۂ اختیار میں دین غالب کرنا۔ بقول جگر مراد آبادی:

مری طرف سے کوئی یہ کہہ دے مجاہد بے خبر سے پہلے
صفائے قلب و نظر ہے لازم جہادِ تیغ و تبر سے پہلے

جہاد فی سبیل اللہ کی دوسری منزل ہے نظریاتی سطح پر جہاد کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں دین غالب کرنے کی دعوت دینا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ ﴾ (الفرقان)

''پس (اے نبیﷺ!) اِن کافروں کی بات نہ مانئے اور قرآن کے ذریعے اِن سے جہاد کیجیے بہت بڑا جہاد''۔

جہاد کی تین منازل اور اِن کے مراحل کی تفصیل کچھ اِس طرح ہے :

☆ پہلی منزل: ذاتی زندگی میں اللہ کی کامل بندگی کے لیے جہاد:

یہ جہاد فی سبیل اللہ کی اوّلین منزل ہے۔ اِس منزل پر جہاد کے تین مراحل ہیں :

(i) **نفس کے خلاف جہاد:** اِس جہاد کو نبی اکرمﷺ نے افضل جہاد قرار دیا ہے:

﴿اَفْضَلُ الْجِهَادِ اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ﴾ (۱۰)

''افضل جہاد یہ ہے کہ تم اپنے نفس اور خواہشات کے خلاف اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو''۔

انسان کے لیے اللہ کی بندگی کے حوالے سے ایک بڑی رکاوٹ یہ نفس پیدا کرتا ہے : ؎

نفسِ ما ہم کم تر از فرعون نیست
لیک او را عون ایں را عون نیست

(ii) **شیطان کے خلاف جہاد:** ذاتی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی کے لیے دوسری بڑی رکاوٹ شیطان ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر: ٦)

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے' پس تم بھی اُسے دشمن ہی سمجھو''۔

(iii) **بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد:** بگڑا ہوا معاشرہ انسان کو دنیاداری کے حوالے سے دوسروں کے ساتھ ایک مقابلہ میں داخل کر دیتا ہے۔ اُس کی ترجیح دُنیوی لذتوں کا حصول بن جاتی ہے' لہٰذا اُس کے لیے اللہ کی بندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں خبردار کیا گیا :

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام: ١١٦)

''اور اگر تم کہنا مانو گے اُن لوگوں کی اکثریت کا جو زمین پر آباد ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے''۔

زمانے کے ساتھ بہہ جانا آسان ہوتا ہے لیکن اُس کے خلاف رُخ اختیار کرنا جان جوکھوں کا کام ہے : ؎

کشاکشِ خس و دریا ہے دیدنی کوثر
اُلجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے!

☆ دوسری منزل: دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے کے لیے جہاد:

جہاد فی سبیل اللہ کی اِس دوسری منزل پر بھی تین مراحل درپیش ہوتے ہیں۔ اِن مراحل کا ذکر سورۃ النحل (آیت ۱۲۵) میں اِس طرح بیان ہوا :

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾

''(اے نبیﷺ!) بلایئے اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت سے اور عمدہ (درد بھری) نصیحت سے اور اُن سے بحث کیجیے عمدہ طریقہ سے''۔

(i) **حکمت کے ذریعہ دعوت:** یعنی دلائل کے ساتھ معاشرے کی ذہین اقلیت کو دین کی طرف متوجہ کرنا۔ دعوت کا ہدف اگر نظام کی تبدیلی ہے تو ان لوگوں کے ذہن تبدیل کرنا اوّلین اہمیت کا حامل ہے' کیونکہ نئے نظام کی تعمیر اور اُسے چلانے کی صلاحیت اِن ہی لوگوں میں ہوتی ہے۔

(ii) **موعظۂ حسنہ:** یعنی درد بھری مؤثر نصیحت کے ذریعے عوام الناس کو غفلت سے نکال کر دین پر عمل کے لیے آمادہ کرنا۔ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق علمیت کے اظہار سے پاک اور پُرسوز وعظ ونصیحت کے ذریعے عوام کو دین کی دعوت دینا مفید ثابت ہوتا ہے : ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں' طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے!

(iii) **مجادلۂ احسن:** یعنی اعتراضات کرنے' فتنے اٹھانے اور گمراہ کن نظریات کا پرچار کرنے والوں کے ساتھ مہذب انداز اور شائستہ اسلوب سے بحث ومباحثہ کرنا۔

☆ تیسری منزل: اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے جہاد:

اِس منزل پر جہاد کے لیے بھی تین ہی مراحل ہیں:

(i) صبرِ محض (Passive Resistance): یعنی ہر طنز و تشدد کے مقابلہ میں جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ دعوت اگر انقلابی ہو' یعنی اگر اُس کا ہدف ظالمانہ نظام کی تبدیلی ہو تو نظامِ باطل سے مفادات حاصل کرنے والے لازماً اُس کی مخالفت کریں گے۔ مخالفت کے جواب میں پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ بدلہ نہ لیا جائے لیکن اپنے موقف پر ثابت قدمی دکھائی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے مکی دور میں صحابہ کرامؓ کو اِسی روش کی تلقین فرمائی' جس کا ذکر سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں اِس طرح کیا گیا:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَیۡدِیَكُمۡ......﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا اپنے ہاتھ روکے رکھو......''

مخالفت کے جواب میں صبرِ محض کی پالیسی کی حکمت یہ ہے کہ:

- نظامِ باطل کے پاس انقلابی جماعت کو مکمل طور پر کچلنے کا اخلاقی جواز نہ ہو۔
- دعوت و تبلیغ کے ذریعے اور برائی کا جواب برائی سے نہ دے کر معاشرے کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں حاصل کر کے اپنی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَ بَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''اور نیکی و بدی برابر نہیں ہوتیں۔ جواب دو (بدی کا) اُس طور پر جو بہت اچھا ہو تو وہ کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے' ایسے ہو جائے گا جیسے گرم جوش دوست''۔

- ساتھیوں کی تربیت کے لیے مہلت لی جا سکے۔
- ساتھیوں میں انتقام کے جذبے کو پکایا جائے تاکہ وقت آنے پر باطل کے خلاف بھرپور وار کیا جا سکے۔ بقول علامہ اقبال:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اِسے اور ذرا تھام ابھی!

(ii) اقدام (Active Resistance): یعنی مناسب قوت و اسباب فراہم ہوتے ہی نظامِ باطل کو چھیڑنا۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران مسلمانوں کو قریش کے خلاف اقدام کی اجازت دی گئی' از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ﴾ (الحج: ۲۹)

''اجازت دے دی گئی (جنگ کی) اُن کو جن سے (بلا وجہ) لڑائی کی جا رہی ہے' کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے چھ ماہ بعد قریش کی معاشی اعتبار سے شہ رگ یعنی اُن کی تجارت کے خلاف اقدام کے طور پر اُن کے تجارتی قافلوں کے راستوں کی نگرانی اور پھر اُن پر حملوں کا فیصلہ فرمایا۔

(iii) مسلح تصادم (Armed Conflict) یا قتال فی سبیل اللہ: یعنی اقدام کے نتیجے میں نظامِ باطل کے ردّعمل کا پامردی سے مقابلہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اِن الفاظ میں دیا ہے:

﴿وَ قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ وَ لَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۱۹۰﴾﴾ (البقرۃ)

''اور جنگ کرو اللہ کی راہ میں اُن سے جو تم سے لڑتے رہے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

قتال فی سبیل اللہ کا مقصد ہے اللہ کے دین کو غالب کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّ یَكُوۡنَ الدِّیۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال: ۳۹)

''اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور ہو جائے نظام کل کا کل اللہ کے لیے''۔

قتال فی سبیل اللہ' جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ ترین صورت ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۴﴾﴾ (الصّف)

''بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں صف در صف (جم کر) گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

☆ قتال فی سبیل اللہ کے آغاز کے لیے شرائط:

- ایک امیر کی قیادت میں منظم جماعت کا قیام عمل میں آ چکا ہو۔
- جماعت میں شامل فدائین نے اپنے سیرت و کردار کا اثر قائم کر دیا ہو۔

• جماعت نے معاشرے میں دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہو۔
• اسباب کے حوالے سے فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔
• متحارب گروہ سے اگر کوئی معاہدہ ہے تو اُسے علی الاعلان ختم کر دیا گیا ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (۵۸)﴾ (الانفال)

’’اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (اُن کا عہد) انہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو)۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں فرماتا‘‘۔

☆ جہاد فی سبیل اللہ کا اصل واوّلین میدان:

ہر نبیؑ کی سنت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا اصل اور اوّلین میدان اپنا علاقہ ہوتا ہے۔ اگر وہاں غلبۂ دین کی جدوجہد کرنا ممکن نہ رہے تب ایسی جگہ ہجرت کی جاسکتی ہے جہاں دین کی خدمت کرنا ممکن ہو۔

☆ قتال فی سبیل اللہ اور مسلم معاشرہ میں درپیش مشکلات:

• مقابلہ باطل نظام کے محافظ کلمہ گو مسلمانوں سے ہے۔ کلمہ گو مسلمان حکمرانوں سے تصادم کے لیے فقہاء نے دو شرائط بیان کی ہیں :
(i) حکمران کھلم کھلا کفر کا نفاذ کر رہے ہوں۔
(ii) مناسب اسباب کی اِس حد تک فراہمی کہ فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔
• موجودہ دور میں اسباب یعنی ہتھیاروں اور عسکری تربیت کے اعتبار سے حکومت اور عوام میں بہت زیادہ عدم توازن ہے اور حکومت کے ساتھ مسلح تصادم کی صورت میں فتح کا امکان محسوس نہیں ہوتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مشکلات کے پیشِ نظر موجودہ حالات میں دینِ حق کے غلبہ کے لیے متبادل طریقۂ کار کیا ہوگا؟ ان شاءاللہ اس سوال کا جواب ہم درس چار میں سمجھیں گے۔

☆ آیت ۱۲:

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ ’’وہ تمہارے گناہ بخش دے گا‘‘...... ﴿وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ’’اور داخل کرے گا تمہیں اُن باغات میں بہتی ہیں جن کے دامن میں نہریں‘‘ ...... ﴿وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ ’’اور اُن پاکیزہ مکانات میں جو ہمیشہ رہنے والے باغات میں ہیں‘‘...... ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ’’وہی ہے شاندار کامیابی‘‘۔

آیت ۱۱ میں بیان شدہ تقاضوں کو ادا کرنے والوں کے لیے اِس آیت میں دو انعامات بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا انعام ہے گناہوں کی معافی اور دوسرا انعام ہے جنت کے پاکیزہ گھروں میں داخلہ۔ جنت اور اِس کے پاکیزہ گھروں کا جہاد فی سبیل اللہ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اللہ کی راہ میں تن من دھن سے جدوجہد کرنے والے کے لیے یہاں گھر بنانے کی خاطر وسائل کی فراہمی اور وقت کا فارغ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا اپنا ایک اچھا سا گھر ہو۔ اگر اُسے کوئی پلاٹ مل جائے یا وہ خرید لے تو دوسروں کو خوشی کے ساتھ بتاتا ہے کہ میں نے پلاٹ لے لیا ہے۔ پھر وہ پائی پائی جوڑ کر مکان بناتا ہے۔ پھر اُس کی خوشی کی انتہا نہیں ہوتی جب وہ اُس گھر میں منتقل ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد موت آتی ہے اور انسان کو اُس کی زندگی بھر کی کمائی کے حاصل سے جدا کر کے قبر کے تنگ اور ویران مقام پر لے جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اس دنیا میں گھر کے حصول کی خواہش کو قربان کر کے اپنی توانائیاں اللہ کے دین کی خدمت کے لیے لگاتا ہے۔ اللہ اِس ایثار کی قدر افزائی فرماتے ہوئے وعدہ کر رہا ہے کہ وہ دین کے خادم کو آخرت میں ہمیشہ ہمیش کے لیے ایسا گھر عطا فرمائے گا جس کی وسعت کا اندازہ لگانا یہاں ممکن نہیں۔ یہ گھر ہوگا بھی انتہائی پرفضا مقام پر یعنی گھنے باغات کے درمیان اور بہتی ہوئی شفاف نہروں کے اوپر۔ حقیقت میں دانشمند وہی لوگ ہیں جو ایسے گھر کے حصول کے لیے اپنا تن من دھن نچھاور کر دیں۔

اِس آیت میں مزید فرمایا گیا کہ: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ یعنی آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۱۷)﴾ (الاعلیٰ)

’’اور آخرت بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے‘‘۔

بندۂ مؤمن کو دنیا کے نتائج سے لاتعلق ہو کر اپنی نگاہ آخرت کی کامیابی پر مرکوز کرنی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے فتح مکہ سے قبل شہادت کی سعادت حاصل کی۔ وہ دُنیوی فتح نہ دیکھ سکے، لیکن غلبۂ دین کی راہ میں جانیں نثار کر کے ہمیشہ ہمیش کی کامیابی سے فیض

یاب ہوگئے۔ جولوگ محض دُنیوی نتائج کے طلب گار رہتے ہیں وہ اکثر مایوس کن حالات کی وجہ سے ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ فیضؔ نے کیا خوب کہا ہے:

یہ فصل اُمیدوں کی ہمدم — اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبح و شاموں کی — اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں — پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے — پھر اگلی رُت کی فکر کرو
پھر اگلی رُت کی فکر کرو — جب پھر اِک بار اُجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا — جب تک تو یہی کچھ کرنا ہے!

اللہ تعالیٰ ہمیں دُنیوی نتائج کی پرواہ کیے بغیر‘ اپنی رضا اور اُخروی نعمتوں کے حصول کو مقصود بناتے ہوئے‘ زندگی کے آخری سانس تک اپنے دین کے غلبہ کے لیے مال و جان لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حواشی

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا‘ باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل......
(۲) صحیح مسلم‘ کتاب البر والصلۃ والآداب‘ باب فضل الرفق۔
(۳) صحیح مسلم‘ کتاب الفضائل‘ باب شفقتہٖ علیٰ اُمتہ ......
(٤) سنن الترمذی‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب ما جاء فی فضل القرآن۔
(٥) مسند احمد : ١٧٦٨٠۔
(٦) صحیح مسلم‘ کتاب الفتن واشراط الساعۃ‘ باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم ببعض۔
(٧) مسند احمد:٢٢٦٩٧۔
(٨) صحیح مسلم‘ کتاب الطھارۃ‘ باب فضل الوضوء۔ وسنن الترمذی‘ کتاب الدعوات‘ باب منہ۔
(٩) سنن الترمذی‘ کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع‘ باب منہ۔
(١٠) کنزالعمال ٢٦٩/٤۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی:١٤٩٦۔

جماعت سے جڑے رہنے کا حکم

عَنْ عُمَرَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ‘ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ‘ مَنْ اَرَادَ بُحْبُوحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ)) (سنن الترمذی)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم پر جماعت کا التزام کرنا لازم ہے‘ اور یہ کہ جدا ہونے سے بچو۔ پس بے شک شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے نسبتاً زیادہ دُور ہوتا ہے۔ جو کوئی جنت کی خوشبو (کے حصول) کا طلب گار ہو پس وہ جماعت کے ساتھ جڑا رہے۔‘‘

بیعت کی اہمیت

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((مَنْ خَلَعَ یَدًا مِّنْ طَاعَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَا حُجَّۃَ لَہٗ وَمَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً)) (مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے سنا اللہ کے رسول ﷺ کو‘ وہ فرما رہے تھے: ’’جس نے امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ روزِ قیامت اللہ سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی‘ اور جو کوئی مر گیا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ تھا وہ جاہلیت کی موت مرا‘‘۔